اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج:46)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ- وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ -وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

عقل سلیم ایک نعمت غیر مترقبہ:۔

اللہ رب العزت نے انسان کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے۔ہم اگر ان نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابرھیم:34)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے۔

اور اُن ان گنت نعمتوں میں سے ایک بہت نمایاں نعمت انسان کی عقل ہے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے۔یہ وہ نعمت ہے جو اس کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔چنانچہ عقل کی وجہ سے انسان

☆ اچھے اور برے کی تمیز کر لیتا ہے۔

☆ دوست اور دشمن میں تمیز کر لیتا ہے۔

☆ جائز اور ناجائز کو پہچان لیتا ہے۔

اگر عقل کا یہ نور انسان کے دماغ میں نہ ہو تو اس کی شکل انسانوں والی ہوتی ہے لیکن اس کا اٹھنا بیٹھنا حیوانوں والا ہوتا ہے۔بہت خوب صورت نوجوان ہوتا ہے،اس کی رال ٹپک رہی ہوتی ہے،اسے اپنے کھانے پینے کا پتہ نہیں ہوتا،نہ کپڑے پہن سکتا ہے،نہ اوڑھ سکتا ہے اور نہ ہی صحیح بات کر سکتا ہے۔وہ

دیکھنے میں تو انسان نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں حیوان کی مانند ہوتا ہے۔اس لیے عقلِ سلیم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

"عقل بڑی یا بھینس":

ایک مرتبہ میرا چھوٹا بیٹا سیف اللہ میرے ساتھ تھا۔ایک جگہ ہم نے ایک بھینس گزرتے دیکھی۔میں نے بچے سے پوچھا: بیٹا! عقل بڑی کہ بھینس؟ کہنے لگا: ابو جی! بھینس۔میں نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا، عقل اتنی چھوٹی سی ہے اور بھینس اتنی بڑی ہے، اس لئے بھینس بڑی ہوتی ہے۔میں نے پوچھا: بھینس کے گلے میں پٹہ کون ڈالتا ہے؟ اس نے کہا: انسان۔پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل دی ہے۔پھر میں نے اسے سمجھایا کہ بھینس انسان کے گلے میں پٹہ نہیں ڈال سکتی، انسان بھینس کے گلے میں پٹہ ڈال کر اسے قابو کر لیتا ہے۔اس لئے عقل بھینس سے بڑی ہوتی ہے۔

انسانی عقل کے کرشمے:

آپ دیکھیں گے کہ شیر جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے۔وہ ساری عمر کچا گوشت کھاتا ہے۔وہ بغیر نمک مرچ کے کھاتا ہے۔اس کے پاس یہ سمجھ نہیں کہ گوشت کو کھانے کے کچھ مختلف انداز بھی ہو سکتے ہیں۔

گوشت کی مختلف ڈشز:

جبکہ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھیں۔یہ بھی گوشت کھاتا ہے۔لیکن کیا اس میں بارہ مصالحے استعمال ہوتے ہیں اور کیا اس کی ڈشز تیار ہوتی ہیں! ان کا نام سن سن کر انسان حیران ہوتا ہے۔یہ کیا ہے جی؟

یہ چکن جلفریزی ہے،

یہ ڈھاکہ چکن ہے،

یہ فرائیڈ چکن ہے،

یہ سٹیم روسٹ ہے،

یہ ڈرم اسٹک بنی ہوئی ہے،

یہ چاپس بنی ہوئی ہیں،

یہ چپلی کباب ہیں،

آئیے جی! ہم آپ کی دعوت کریں گے اور گھر میں باربی کیو کریں گے۔

بھونی ہوئی پوری گائے:

ایک مرتبہ شوگر ٹیکنالوجسٹ کی کانفرنس فرانس میں ہوئی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک پوری گائے کو ذبح کر کے، اس کی کھال اتار کے، اس کے پیٹ کے اندر سے سب کچھ صاف کر کے، اسے ایک اوون کے اندر انہوں نے روسٹ کیا اور اس کو ایک سریے کے اندر پرو کے انہوں نے ایک جگہ لٹکا دیا۔ اب پانچ سو بندوں میں سے ہر بندہ جا رہا تھا اور گائے کی جس جگہ کا گوشت وہ پسند کرتا تھا وہ کاٹ کے کھا رہا تھا۔ ہم حیران تھے کہ ایک گائے کو انہوں نے مرغے کی طرح روسٹ کر کے سامنے رکھ دیا۔ مزے کی بات یہ کہ جہاں سے بھی اس کا گوشت کاٹا جاتا تھا، وہ گلا ہوا ہوتا تھا اور اس میں مرچ مصالحہ صحیح ہوتا تھا۔ یہ نعمت انسان کو کیسے ملی؟ عقل کی بنا پر ملی۔

سبزی میں گوشت کا استعمال:

صرف یہی نہیں، بلکہ وہ گوشت کو سبزی کے ساتھ بھی استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ

یہ جی قیمہ مٹر ہے،

یہ قیمہ کریلا ہے،

پھر اس کے سوپس بنا لیتا ہے۔ کہتا ہے:

یہ چائینیز سوپ ہے،

یہ کارن سوپ ہے۔

یوں لگتا ہے کہ یہ لسٹ ہی ختم نہیں ہوتی۔

عربوں کی مزے دار مندی:

انسان گوشت کو چاولوں کے ساتھ بھی استعمال کرتا ہے۔ کہتا ہے:

یہ جی بریانی ہے، اور

یہ عربوں کی بنی ہوئی مندی ہے۔

ایک صاحب ہمیں سعودی عرب میں کہنے لگے: جی آج میں آپ کو مندی کھلاؤں گا۔ وہ چاول پکوا کے لائے جو تنور میں بنائے ہوئے تھے۔ مگر اتنے لذیذ، اتنے لذیذ کہ کھانے والوں میں سے ہر بندے نے بہت ہی زیادہ جی بھر کے کھایا۔ میں نے اس سے کہا: بھئی! یہ نام کی مندی ہے، حقیقت میں بڑی چنگی ہے۔

ہاتھی کا تماشا:

انسان جانوروں کو سدھا بھی لیتا ہے۔ حالانکہ جانور طاقت اور سائز میں انسان سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔ ہاتھی کو قابو کر لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کا وزن ٹنوں میں ہوتا ہے اور اس کی طاقت بھی بہت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ہمیں امریکہ میں سفر کرنے کے دوران، ڈرائیور نے کہا: حضرت! ہم اس وقت ایک ایسے ایگزٹ پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم دو منٹ کے اندر اندر ایک چڑیا گھر کے دروازے پر پہنچ جائیں گے اور اس

وقت چڑیا گھر بند ہونے والا ہے۔ آخر میں وہ اپنا ایک فائنل پروگرام پیش کرتے ہیں جو بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو وہ دیکھنے چلیں، کیونکہ ہمارے پاس ٹائم بھی ہے۔ میں نے جواب میں کہا:

مرغِ دل را گلشنِ بہتر زِ کوئے یار نیست　　طالبِ دیدار را ذوقِ گل و گلزار نیست

''دل کے مرغ کو باغ دوست کی گلی سے زیادہ اچھا نہیں، دیدار کے طالب کو گل وگلزار کا ذوق نہیں ہوتا''

مگر دونوں بچے ساتھ تھے۔ ابو جی! جانور کا شو ہے، اگر ہم دیکھیں گے تو ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور اچھا بھی لگے گا۔ خیر، بچوں کا شوق دیکھ کر میں نے کہا: چلو چلتے ہیں۔ چنانچہ دومنٹ کے اندر ہم دروازے پر پہنچ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے گراؤنڈ کے اندر ایک ہاتھی کھڑا تھا۔ انہوں نے اس کے گلے میں ایک بیلٹ باندھ رکھا تھا اور اس بیلٹ کے ساتھ کم از کم تین انچ موٹا اور کئی فرلانگوں کے حساب سے لمبا رسہ باندھا ہوا تھا۔ ہم لوگ کار کے اندر ہی بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

آئیٹم یہ تھا کہ جتنے لوگوں نے آج کے دن اس چڑیا گھر کو دیکھا وہ آخری وقت میں اس ہاتھی کے ساتھ رسہ کشی کریں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ وہاں ہزاروں کی تعداد میں مردوں اور عورتوں نے رسہ پکڑا ہوا ہے اور رسہ کشی کے لیے بالکل تیار کھڑے ہیں۔

جو آدمی ان کو یہ گیم کروا رہا تھا، اس نے اعلان کیا: جی! آج تک ہسٹری میں جتنے بھی لوگ یہاں پر آئے وہ ہاتھی سے جیت نہیں سکے، آج اگر آپ لوگ ہمت کر کے جیت جائیں تو

You will be going to make a record. آپ ایک ریکارڈ قائم کر لیں گے۔

اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور سب لوگوں نے مل کر اس کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ہماری جہاں تک نظر

جاتی تھی وہاں تک ہمیں ایک لمبے گراؤنڈ کے اندر رسے کے ساتھ چیونٹیوں کی طرح لوگ نظر آرہے تھے۔جب سب نے زور لگایا تو ہم نے دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک قدم پیچھے ہٹا، پھر دوسرا قدم، پھر تیسرا قدم، جب وہ ہاتھی بارہ قدم پیچھے ہٹا تو اس شخص نے پھر اعلان کیا کہ ایک قدم باقی رہ گیا ہے، اگر آپ لوگ اب ہاتھی کو پیچھے کھینچ لیں تو آپ جیت جائیں گے اور ایک ریکارڈ قائم کرلیں گے۔اس کے اس اعلان کے بعد لوگوں نے زور لگانے کی انتہا کردی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہاتھی بڑے آرام کے ساتھ ایک قدم پیچھے آجائے گا۔لیکن جب انہوں نے زور لگانے کی انتہا کردی تو اس وقت ہاتھی نے چلنا شروع کر دیا اور سب بندوں کو چیونٹیوں کی طرح گھسیٹتے ہوئے آگے چلا گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے ہاتھی کو سکھایا ہوا تھا کہ تو نے بارہ قدم پیچھے آنا ہے اور آخر قدم پر جب یہ خوب زور لگائیں تو تم نے سب کو کھینچ کر آگے کر دینا ہے۔ یہ دیکھ کر ہم بہت حیران ہوئے کہ پانچ سات ہزار بندوں کی طاقت ایک طرف اور ایک ہاتھی کی طاقت ایک طرف۔ ہاتھی پھر بھی طاقت ور ثابت ہوا۔لیکن انسان کی عقل کو دیکھیے کہ وہ اس عقل کے بل بوتے پر اس ہاتھی کو بھی قابو میں لے کر سدھا لیتا ہے۔

ہاتھیوں کا فٹ بال میچ:

ہم نے ایک جگہ ہاتھیوں کا فٹ بال میچ دیکھا۔ہاتھیوں کی ایک ٹیم ادھر ہے اور ایک ٹیم ادھر ہے۔گیند بھی کوئی چھوٹا سا نہیں تھا۔یوں سمجھیں کہ تقریباً آٹھ فٹ ڈایا میٹر کا ہوگا۔وہ ہاتھی سونڈھ سے اس کو کک لگا رہے تھے۔اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے۔ باقاعدہ گیم ہوئی اور ہم نے ہاتھی کو گول کرتے ہوئے دیکھا۔ہم حیران تھے کہ یا اللہ! اس انسان کو آپ نے عقل والی کیا نعمت دی کہ جس کے ذریعے اس نے جانور کو بھی یہ کچھ سکھا ڈالا!

ہاتھی کی پینٹنگ:

ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے ہاتھی کو پینٹنگ سکھائی ہوئی تھی۔ انہوں نے نو دس کلر رکھے ہوئے تھے۔ میٹر بائی میٹر کی شیٹس بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دس ڈالر کی ایک شیٹ ملتی تھی۔ وہ اس شیٹ پر ہاتھی سے پینٹ کروا کے دیتے تھے۔

جب کوئی آدمی آ کر کہتا کہ مجھے اس کلر کی پینٹنگ چاہیے، تو اس کو کنٹرول کرنے والا آدمی برش کو رنگ میں ڈبو کر سونڈھ میں پکڑا دیتا۔ ہاتھی سونڈ میں برش پکڑ کر اتنی صفائی سے اس کا شیڈ دیتا کہ لگتا تھا اس نے فائن آرٹس میں ماسٹر ڈگری لی ہوئی ہے۔ چند مرتبہ شیڈ دینے سے اتنی خوبصورت پینٹنگ تیار ہوتی تھی کہ لوگ خرید کر لے جاتے تھے اور ہاتھی کی پینٹنگ اپنے گھروں میں سجاتے تھے۔

پرندوں اور جانوروں کے کارنامے:

یہ سلسلہ بہت پہلے شروع ہوا تھا۔ پہلے وقتوں میں لوگ طوطے کو بولنا سکھایا کرتے تھے۔ اللہ کا نام سکھایا کرتے تھے۔ ہم ایک صاحب کے گھر گئے۔ جیسے ہی ہم داخل ہوئے تو کسی نے کہا: ہیلو...... ہم حیران کہ یہاں کون آ گیا؟ بعد میں پتہ چلا کہ ان کا ایک طوطا ہے جو آنے والے ہر بندے کو ہیلو بھی کہتا ہے اور جاتے ہوئے اس کو بائے بائے بھی کہتا ہے۔ بعض لوگ مینا کو بھی سکھاتے تھے، وہ بھی بولتی ہے۔

پہلے وقتوں میں کبوتر کو بھی تیار کیا جاتا تھا جو ایک بندے کا رقعہ دوسرے بندے کو پہنچاتا تھا اور اس وقت کا وہ ہی ٹی سی ایس کا سسٹم تھا۔

گھوڑوں کو ڈانس سکھانا، ایک نارمل سی چیز تھی۔ لیکن آج کے سائنسی دور میں انسان نے اس میں بھی جدت پیدا کر لی ہے۔ سرکس کے اندر شیر کے تماشے تو بہت دنیا دیکھتی ہے۔

ایک بندر کا کراٹے کا مقابلہ:

ہم نے ایک جگہ پر ایک بندر کا کراٹے کا مقابلہ دیکھا۔اس کے سامنے مقابلے کے لیے ایک بلیک بیلٹ آدمی تھا۔اب دونوں آپس میں کراٹے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ہم نے دیکھا کہ بندر اس کو باقاعدہ کک لگاتا ہے اور اگر وہ آدمی کک لگاتا تو یہ اس کو بلاک کرتا۔لگتا تھا کہ بالکل دو بلیک بیلٹ لوگوں کا آپس میں مقابلہ ہو رہا ہے۔

ایک عجیب وغریب کیٹل فارم:

ہمیں ایک مرتبہ لائیو سٹاک دیکھنے کا موقع ملا۔وہاں تین سو گائیاں تھیں۔ان تین سو گائے کی کیئر ٹیکنگ (حفاظت) کے لیے صرف تین بندے تھے۔آج ہمارے ہاں اگر تین سو گائیں ہوں تو ان کی حفاظت کے لیے کم از کم تین درجن بندوں کی ضرورت پڑے گی وہاں صرف تین بندے تھے۔وہاں چند باتیں ہم نے بڑی عجیب دیکھیں۔

☆ ہر گائے کے گلے میں ایک رول نمبر ٹیگ لگا دیا گیا ہے۔ہر گائے کی جگہ مخصوص ہے۔اس کے گلے میں رسی نہیں ہے۔وہ اپنی ہی جگہ پر کھڑی ہوتی ہے، بیٹھتی ہے اور آرام کرتی ہے۔

☆ جب اس گائے کا نہانے کو جی چاہتا ہے تو وہ ایک جگہ، جہاں شاور لگا ہوا ہے، وہاں آ کر وہ اپنا ٹیگ کیمرے کو پڑھاتی ہے۔کیمرہ پڑھنے کے بعد کمپیوٹر کو بتاتا ہے یہ گائے شاور لینا چاہتی ہے۔پھر کمپیوٹر دیکھتا ہے کہ کیا یہ آج شاور لے چکی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لیا تو اوپر سے پانی کھل جاتا ہے اور گائے خود اس کے نیچے نہاتی ہے اور اپنی جگہ پر واپس چلی جاتی ہے۔

☆ اس کا چارہ ایک پائپ کے ذریعے اس کی اپنی جگہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔

☆ ایک چیز نے ہمیں وہاں بہت حیران کیا۔وہ یہ کہ ان کا ملکنگ ٹائم (دودھ دوہنے کا وقت) آ گیا

تھا۔ہم نے پندرہ گائیوں کو بالکل ایک لائن میں کھڑے دیکھا۔ان کو بتانے والا کوئی بندہ نہیں، کوئی رسی نہیں، بس ہم نے آگے ایک بندے کو دیکھا۔اس کے پاس ایک ملکنگ مشین تھی۔جب گائے اپنی پوزیشن پر آتی تھی تو وہ اس کے تھنوں کے ساتھ اس کی اٹیچمنٹ لگا دیتا تھا۔یوں گائے کھڑی رہتی اور اس کا دودھ نکلتا رہتا۔اتنے میں دوسری لائن میں کھڑی گائے کے تھنوں کے ساتھ دوسری ملکنگ مشین لگا دیتا تھا۔جب پہلی گائے کا دودھ مکمّل ہو جاتا تو وہ اپنے پاؤں سے اس اٹیچ منٹ کو خود نیچے گرا دیتی اور آگے چلی جاتی۔جیسے ہی پوزیشن خالی ہوتی تو پیچھے انتظار کرنے والی گائے اس کی جگہ پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

ہم حیران ہوئے کہ آج کئی جگہوں پر انسانوں کو لائن بنانا سکھانا مشکل کام ہوتا ہے اور جہاں کوئی محنت کرتا ہے تو دیکھیے کہ جانور بھی لائن بنا کر آتے ہیں اور ملکنگ کے بعد اپنے راستے پر خود واپس چلے جاتے ہیں۔

ڈالفن مچھلی کا حیران کن کرتب:

ہمیں ایک مرتبہ بالٹی مور جانے کا موقع ملا۔وہاں پر ایک بہت بڑا Aquarium (مچھلی گھر) ہے۔اس میں انہوں نے بہت ہی عجیب وغریب قسم کی مچھلیاں پالی ہوئی ہیں۔وہ چونکہ ایک ایجوکیشنل ٹرپ تھا اس لیے ہم نے سب کچھ بڑے شوق سے دیکھا اور ہمیں مچھلیوں کے بارے میں بہت معلومات ملیں۔پھر آخر میں وہ کہنے لگے کہ جانے سے پہلے ہم آپ کو ڈالفن شو دکھائیں گے۔چنانچہ سب لوگ بیٹھ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ سوئمنگ پول کی طرح ایک بڑی ساری جگہ بنی ہوئی ہے اور اس میں ڈالفن تیر رہی ہے۔انہوں نے اس کے کئی کرتب دکھائے۔اس میں سے ایک کرتب واقعی عجیب تھا۔

پانی کی سطح سے تقریباً 25 سے 30 فٹ اونچا ایک بال تھا، جوانہوں نے اوپر سے نیچے لٹکایا اور ڈالفن کو اشارہ کیا کہ تم اس بال کو کک لگاؤ۔ ڈالفن اس وقت سوئمنگ پول کے ایک کونے میں تھی۔ جیسے ہی اس نے کمانڈ دی، ڈالفن نے پانی کے اندر تیرنا شروع کیا اور عین وسط میں آ کر اتنی اونچی چھلانگ لگائی کہ اس نے اپنے منہ سے اس بال کو کک لگا دی۔ یا اللہ! ایک حیوان کو بھی اتنا کچھ سکھایا جا سکتا ہے۔

اس وقت ڈالفن بہت خوش تھی۔ پھر اس نے اس خوشی کا اظہار اس طرح کیا کہ وہ کنارے کے قریب تیرنے لگی اور اس نے اپنی اتنی بڑی دم کے اندر پانی لے کر سب وزیٹرز پر اس طرح پھینکا کہ سب کے کپڑے تر ہو گئے۔ تو دیکھیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کے نور سے نوازا اور انسان نے اس عقل کے ذریعے جانوروں کو بھی سدھا لیا۔

انسان کی مادی پرواز:

انسان آج ایسے کام بھی کر سکتا ہے جن کے بارے میں پہلے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ صرف جانور اور پرندے ہی کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ چیتا بہت تیز دوڑتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ چیتے جیسا تیز کوئی بھی نہیں دوڑ سکتا۔ انسان نے کار بنا لی اور چیتا اب دیکھتا رہ جاتا ہے اور کار والا بندہ آگے نکل جاتا ہے۔

☆ اونٹ کو لدا ہوا دیکھ کر انسان حیران ہوتا تھا۔ آج ماشا اللہ NLC کے ٹریلر چالیس اور پچاس فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ حیران ہوتے ہیں کہ اتنے وزن کو لے کر انجن سڑک پر آسانی سے چل رہا ہوتا ہے۔

☆ پہلے زمانے میں شاہین کی پرواز دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ آج انسان نے جہاز بنا لیا ہے۔ چنانچہ آج شاہین کی پرواز نیچی نظر آتی ہے اور جہاز کی پرواز اونچی نظر آتی ہے۔

فروٹ فلائی سے نجات کا انوکھا طریقہ:

انسان نے جانوروں کو خوب قابو کیا ہے۔اس قابو کرنے کی ایک چھوٹی سی مثال میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں:

ہمارے ملک میں جب امرود کے پھل کا موسم ہوتا ہے تو ایک مکھی، جسے فروٹ فلائی کہتے ہیں، وہ لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہو جاتی ہے، جیسے مچھر پھرتے ہیں، اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ فروٹ کو اپنے سونڈ کے ذریعے سے پک کرتی ہے اور اس کے اندر ایسی چیز ڈال دیتی ہے کہ جس سے وہ فروٹ خراب ہو جاتا ہے۔چنانچہ باغبان بہت پریشان ہوتے ہیں کیونکہ اس مکھی کو مکمّل طور پر ختم کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوتی ہے اور ہوتی بھی بہت چھوٹی ہے۔ماریں تو کیسے ماریں؟ اس کی وجہ سے فروٹ خراب ہو جاتا تھا۔

اس پر سائنس دانوں نے کام کرنا شروع کیا اور اس کا ایک عجیب حل نکالا! وہ یہ کہ فروٹ فلائی جب اپنے میل (نر) کے ساتھ میٹ (ملاپ) کرنے لگتی ہے تو اس کے جسم سے ایک خاص قسم کی Smell (بو) نکلتی ہے۔میل (نر) جب اس بو کو محسوس کرتا ہے تو وہ فیمیل (مادہ) کی طرف آتا ہے۔ان سائنس دانوں نے اس بو کو پہچان کر اس طرح کی بو بنا دی اور اس بو کے لیے خاص ٹریپ بنا دیے۔یعنی ایک ٹریپ میں کپاس رکھ دی جس میں وہ بو ہوتی ہے۔جیسے ہی وہ بو آتی ہے تو ایک دو کلومیٹر سے جتنے بھی میل (نر) ہوتے ہیں وہ اس بو کی طرف بھاگتے ہیں، کیونکہ اس کی کشش ہی اتنی ہوتی ہے۔وہاں جو بھی نر آتا ہے وہ زہر کی وجہ سے مر جاتا ہے۔جب نر ہی مر گئے تو مادہ حاملہ کیسے ہو؟ بچے کیسے دے اور ان میں اضافہ کیسے ہو؟ چنانچہ اب نہ ان میں اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ پھل کو خراب کر سکتے ہیں۔ہم حیران ہوئے کہ کیا ٹیکنیکل نکتہ نکالا کہ انہوں نے اس کا مسئلہ ہی حل کر کے رکھ دیا۔یہ کیسے ہوا؟ یہ انسان نے عقل کی

وجہ سے ایک مسئلہ حل کر لیا۔

نظریہء اضافت کی بنیاد:

عقل کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت پیدا کی ہے۔ چنانچہ دنیا میں انسان نے کچھ کام فقط عقل کی وجہ سے کیے۔ کچھ کام انسان دیکھ کر کرتا ہے، کچھ سن کے کرتا ہے، کچھ چیزوں کو چکھ کے محسوس کرتا ہے۔، کچھ کو ہاتھ لگا کر محسوس کرتا ہے، مگر کچھ کاموں کو فقط عقل کی وجہ سے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

آئن سٹائن ایک ایسا سائنس دان ہے جس نے تھیوری آف ریلیٹو یٹی (نظریہء اضافت) کا تصور پیش کیا۔ آج سائنس کی دنیا میں اس کا ایسے احترام کیا جاتا ہے جیسے دین والوں کے ہاں پیغمبروں کا احترام کیا جاتا ہے اس بندے نے سوچا کہ فرض کرو کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے۔ تو بات ایک فرضی خیال سے شروع کی۔ اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ اس نے فقط اپنی سوچ سے کام لیا۔ اس نظریے کی بنیاد سوچ سے آگے چل رہی ہے کہ فرض کرو کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے۔ پھر اس نے وہاں سے ایک فریم آف ریفرنس لیا، پھر دوسرا لیا، پھر کیلکولیشن شروع کر دی۔ اس نے جتنا بھی کام کیا اس کا تعلّق نہ آنکھ سے تھا، نہ کان سے تھا اور نہ ہی کسی اور چیز سے تھا۔ اس کا تعلّق فقط عقل کے ساتھ تھا۔ چنانچہ اس نے عقل کے ذریعے ہی کیلکولیشن کرتے کرتے ایک نتیجہ نکالا کہ:

E = mc2

یہ ایک ایسی مساوات تھی جس نے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ لہٰذا آج اس کو استعمال کر کے انسان معلوم نہیں کیا کیا عجیب وغریب چیزیں بنا رہا ہے۔ تو یہ کس کی طاقت تھی؟ یہ عقل کی طاقت تھی۔ اس نے یہ عقل کے ذریعے ہی سمجھا کہ ٹائم **Dialate** (تبدیل) بھی ہو سکتا ہے، لمبائی **Constraction** (کم) بھی ہو سکتی ہے اور اسی طرح مختلف تبدیلیاں آسکتی ہیں۔ گویا عقل کے ذریعے

انسان دنیا میں رہتے ہوئے مادی فائدے حاصل کرسکتا ہے۔

انسانی عقل کا کمال:

انسان کے دماغ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کمپیوٹر کے اندر ایک میس کو پروسیسر ہوتا ہے۔ کمپیوٹر کے اندر پروگرام میں اگر کوئی بھی ایکوایشن (مساوات) آجائے تو وہ ایکوایشن میس کو پروسیسر کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور وہ اس ایکوایشن کو حل کر کے اس کا جواب واپس دے دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح آپ انسان کو ایک خیال دے دیجیے فوڈ فار تھاٹ، اور پھر اس کے اوپر خیالی پلاؤ پکاتے پکاتے انسان پوری عمارت کھڑی کر دیتا ہے۔ یہ جو ایک نعمت ہے کہ ایک خیال کو آگے بڑھاتے بڑھاتے معاملے کی تہہ تک پہنچ جانا، یہ انسان کی عقل کا کمال ہے۔

سوچ کے دو انداز:

انسان کی سوچ کے دو انداز ہوتے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں ''مثبت انداز'' اور دوسرے کو کہتے ہیں ''منفی انداز''۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔ میرے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے۔ اس گلاس کو دیکھ کر لوگ دو طریقے کے نتیجے نکال سکتے ہیں۔ ایک بندہ اس کو دیکھ کر کہتا ہے: جی آدھا خالی ہے۔ ہاں ٹھیک کہہ رہا ہے کہ آدھا خالی ہے۔ اب اس کہنے والے نے منہ بھی بنایا اور کہا کہ آدھا خالی ہے۔ اور ایک اور بندے نے اس کو دیکھ کر خوش ہو کر کہا: دیکھو جی آدھا بھرا ہوا ہے۔ جس نے کہا کہ آدھا خالی ہے، وہ بھی ٹھیک کہہ رہا ہے اور جس نے کہا کہ آدھا بھرا ہوا ہے وہ بھی ٹھیک کہہ رہا ہے، مگر ایک سوچ کا مثبت انداز ہے اور دوسرا سوچ کا منفی انداز ہے۔

انسانی شخصیت پر سوچ کے اثرات:

یاد رکھیں جیسی انسان کی سوچ ہوتی ہے اس کی شخصیت پر ویسے ہی اثرات ہوتے ہیں۔ مثبت سوچ کے

مثبت اثرات اور منفی سوچ کے منفی اثرات ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر:

☆ ایک آدمی بات کر رہا تھا کہ میں گلاب کے پودے سے پھول توڑنے لگا تو مجھے کانٹے چبھ گئے، یہ کیا بات ہے جی! جہاں پھول ہوتے ہیں وہیں کانٹے ہوتے ہیں۔دوسرے بندے نے اس سے کہا: اللہ کے بندے! یہ کیوں نہیں سوچتا کہ جہاں کانٹے ہوتے ہیں وہاں پھول بھی ہوتے ہیں۔اب اگر وہ بات کو اس طرح سوچے کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہیں کانٹے ہوتے ہیں تو اس منفی سوچ کی وجہ سے اس کے اندر فرسٹریشن پیدا ہوگی۔اور اگر وہ یوں کہے کہ اگر دنیا میں کانٹے ہوتے ہیں تو پھر ساتھ پھول بھی ہوتے ہیں، اس سے اس کے دل میں اللہ کا شکر کرنے کا احساس پیدا ہوگا۔

☆ دو قیدی تھے۔ان کو جیل میں ڈالا گیا تھا۔ان کو تھوڑے سے وقت کے لیے نکالا گیا تاکہ وہ تازہ ہوا کے اندر چل پھر لیں۔پھر دس پندرہ منٹ کے بعد ان کو دوبارہ قید کر دیا گیا۔جب دوبارہ جیل میں بند ہو گئے تو ایک نے کہا: یار! لگتا ہے کہ باہر بارش ہوئی ہے۔دوسرے نے کہا: ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ باہر بارش ہوئی ہے۔ایک نے پوچھا: تمہیں کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا: میں نے زمین پر دیکھا کہ بہت کیچڑ تھا اور ہر طرف گند پھیلا ہوا تھا۔پھر اس نے دوسرے سے پوچھا: تمہیں کیسے پتہ چلا؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے درختوں کو دیکھا کہ ان کے پتے دھلے ہوئے تھے اور پودوں کے پھول بہت ہی مہک رہے تھے اور تر و تازہ نظر آرہے تھے، مجھے اس سبزے کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ شاید بارش ہوئی ہے۔یہی مثبت اور منفی سوچ کا فرق ہے کہ دیکھیں! دو بندے ہیں۔ایک کی نظر نیچے کیچڑ پر پڑی اور دوسرے کی نظر پھولوں اور پتوں پر پڑی۔

شوگر فری تربوز:

اگر کوئی مثبت سوچ رکھنے والا ہو تو اپنی مشکل کا حل نکال لیتا ہے اور اگر منفی سوچ والا ہو تو وہ ہمت ہار کے

نقصان کر بیٹھتا ہے۔

ایک مرتبہ لاہور میں ایک کسان سیزن کے شروع شروع میں اپنے تربوز توڑ کر لایا کہ ریٹ اچھا ملے گا۔ اللہ کی شان کہ جب اس نے تربوز کھولے تو وہ اندر سے تھے تو سرخ، مگر پھیکے تھے۔ایک بندے نے خریدا تو اس نے کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں۔ دوسرے نے خریدا تو اس نے بھی کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں۔ وہ بڑا پریشان ہوا مگر وہ بندہ ہمت والا تھا۔اس نے سوچا کہ اب جو کچھ ہے، وہ تو ہے ہی، مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، مجھے اس کا کوئی حل نکالنا چاہیے۔

چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ بالآخر وہ ایک پینٹر کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا: مجھے ایک بڑا سا سائن بنا کر دو۔اس نے پوچھا: اس پر کیا لکھوانا ہے؟ کہنے لگا: اس کے اوپر لکھو۔

”لاہور میں پہلی مرتبہ شوگر فری تربوز“

اب جب اس نے شوگر فری کا لفظ لکھ دیا تو کسی نے کہا: میں امی کے لیے لے کر جاتا ہوں، میں ابو کے لیے لے کر جاتا ہوں۔ اس طرح اس کے پھیکے تربوز ڈبل ریٹ پر سارے کے سارے بک گئے۔تو معلوم ہوا کہ انسان کو کوئی چیز دیکھ کر فوراً فرسٹریشن میں نہیں آنا چاہیے، بلکہ اس کا وے آؤٹ نکالنا چاہیے۔ہمارے بزرگ جونوجوانوں سے یہ کہتے تھے کہ بھائی! ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو، وہ اسی لیے کہتے تھے کہ دنیا کے ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے، لہٰذا بیٹھ کر سوچو اللہ تعالیٰ کوئی اچھی تدبیر ذہن میں ڈال دیں گے۔

متبادل راستہ:

بالفرض آپ کسی روڈ پر چل رہے ہیں۔ چلتے چلتے سامنے دیکھتے ہیں کہ روڈ بالکل بلاک کر دیا گیا ہے۔چارفٹ اونچی اینٹوں کی دیوار بنا دی گئی ہے۔اب آپ وہاں کار کھڑی کر کے بیٹھ تو نہیں

جاتے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ روڈ بلاک کر دیا گیا ہے، لگتا ہے کہ کنسٹرکشن (تعمیر) کا کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے دائیں یا بائیں جانب کوئی متبادل راستہ بھی بنایا ہوگا۔ تو جب آپ دائیں بائیں دیکھتے ہیں تو آپ کو ایک راستہ جاتا نظر آتا ہے۔ آپ اس کچے راستے پر تھوڑی دیر کے لیے چلتے ہیں۔ وہ راستہ آپ کو وہاں سے نکال کر پھر سڑک پر ڈال دیتا ہے۔ انسان کی مثال بھی بالکل اسی طرح ہے۔ اگر زندگی میں کسی وقت بھی کوئی کرائسز کنڈیشن محسوس ہو رہی ہو تو بھئی! اب جھگڑا کر کے نہیں بیٹھ جانا بلکہ اس کا کوئی وے آؤٹ (حل) نکالنا ہے۔ اس کا حل نکالنے کا یہی طریقہ ہے کہ دیکھا جائے کہ کیا کیا جا سکتا ہے اور بہترین حل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ عقل کے نور سے انسان کو کوئی نہ کوئی حل ضرور بتا دیں گے۔

جیسی سوچ ویسی باتیں:

جیسی سوچ ہوتی ہے انسان اسی طرح سے بات کرتا ہے۔ اور بات کرنے سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

☆ ایک ہی بات اگر آپ ذرا غیر مہذب طریقے سے کریں تو اگلا بندہ تھپڑ لگا دے گا اور اگر اسی بات کو مہذب طریقے سے کریں تو اگلا بندہ آپ کا احسان مند ہوگا، مثال تو ذرا عجیب سی ہے، اگر آپ کسی سے کہیں کہ آپ کے ابو جان آ رہے ہیں تو وہ شکریہ ادا کرے گا اور اگر آپ اس سے کہیں کہ تمہاری ماں کا یار آ رہا ہے تو وہ جوتا اتار کے سر پر مارے گا۔ حالانکہ حقیقت تو دونوں باتوں کی ایک جیسی ہے، مگر بات کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

☆ ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے کئی دانت گر گئے۔ وہ بڑا پریشان ہوا کہ خواب میں میں نے دانت گرتے ہوئے دیکھے۔ اس نے صبح تعبیر کرنے والے کو بتایا۔ اب وہ تعبیر بتانے والا ذرا رف قسم کا بندہ تھا۔ اس نے خواب سن کر کہا: بادشاہ سلامت! آپ کے دانت گرے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے اپنے کئی رشتہ داروں کو مرتے دیکھیں گے۔ اب جیسے ہی اس نے تعبیر بتائی تو بادشاہ کو

اتنا غصہ آیا کہ اس نے کہا: اسے دو چار جوتے لگا دو اور یہاں سے بھگا دو، یہ ایسی بری تعبیر بتا رہا ہے۔ اس کے بعد وہ پھر بھی خواب کی وجہ سے پریشان تھا کہ آخر اس کی کوئی نہ کوئی تعبیر تو ہوگی۔ چنانچہ ایک اور بندے کو بلایا گیا۔ وہ بندہ ذرا سمجھدار تھا۔ اس کو بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ لہٰذا جب اس نے خواب سنا تو اس نے کہا: بادشاہ سلامت! یہ تو بہت اچھا خواب ہے، آپ کو مبارک ہو۔ بادشاہ نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: آپ اپنے تمام رشتہ داروں سے زیادہ لمبی عمر پائیں گے۔ بادشاہ اس تعبیر سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ اس کو انعام دے کر روانہ کر دو۔

اب دیکھیے باتیں تو دونوں کی ایک جیسی ہیں لیکن ان کو پیش کرنے کا انداز مختلف ہے۔ ایک انداز سے بندہ ناراض ہو جاتا ہے اور دوسرے سے بندہ خوش ہو جاتا ہے۔

انسانی رویہ میں سوچ کا اثر:

جس طرح سوچ کا انسان کی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے اسی طرح انسان اپنی شخصیت کے مطابق آگے رویہ اختیار کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مکھیاں دو طرح کی ہیں۔ ایک کو گندی مکھی کہتے ہیں، اس گندی مکھی کی سوچ بھی گندی ہوتی ہے۔ اس کو ہر وقت گندگی کی تلاش ہوتی ہے۔ جہاں بھی دیکھو، یہ صاف ستھری جگہ کو چھوڑ کر گندی جگہ پر بیٹھی ہوگی۔ مثال کے طور پر: اتنے خوبصورت جسم کو چھوڑ کر یہ مکھی زخم اور پیپ کے اوپر جا کر بیٹھے گی۔ اتنے خوب صورت گھر کو چھوڑ کر کوڑے کے ڈھیر پر بیٹھے گی۔ چونکہ اس کی سوچ گندی ہوتی ہے اس لیے اسے گندگی کی ہی کی تلاش رہتی ہے اور گندی جگہوں پر پائی جاتی ہے۔

ایک شہد کی مکھی بھی ہوتی ہے۔ اس مکھی کی سوچ اچھی ہوتی ہے، اس کو ہر وقت اچھائی کی تلاش ہوتی ہے، یہ نیکٹرز ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ اکثر و بیشتر پھولوں کے باغ میں اور

پھلوں کے باغ میں پائی جاتی ہے۔کہیں سے پھل کا رس لے رہی ہوتی ہے اور کہیں سے پھول کے اندر سے پولن لے رہی ہوتی ہے۔ یہ صاف ستھری اور خوشبودار جگہوں پر پائی جاتی ہے اور جب یہ وہاں سے نیکٹر پولن لے کر آتی ہے تو اپنے چھتے کے اندر آ کر شہد بناتی ہے۔ یہ ہنی (شہد) اتنا لذیذ ہوتا ہے کہ آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوان اظہارِ محبّت کے لیے اپنی بیوی کو ''ہنی'' کہتے ہیں۔ہنی اتنا لذیذ تو ہوتا ہے نا کہ اظہارِ محبّت کے لیے علامت بن گیا ہے۔تو معلوم ہوا کہ اس مکھی کی سوچ اچھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو پروڈکٹ بھی اچھا دے دیا۔

جس طرح مکھی کی دو مثالیں ہیں اسی طرح انسان بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ بالکل گندی مکھی کی مانند ہوتے ہیں۔ان کی سوچ بھی گندی ہوتی ہے، انہیں ہر وقت گندگی کی تلاش رہتی ہے۔ وہ کسی کی اچھائیوں کو نہیں دیکھتے، ان کی نظر ہمیشہ برائی کے اوپر پڑے گی۔ ان کو اچھی مجالس بھی اچھی نہیں لگتیں۔جس مجلس میں غیبت ہو، الزام تراشی ہو، تنقید ہو اور نکتہ چینی ہو تو ان کو وہ مجالس بڑی اچھی لگتی ہیں۔ وہ اتنے بے زار ہوتے ہیں کہ نہ بڑوں سے خوش ہوتے ہیں اور نہ اپنوں سے راضی رہتے ہیں۔ نہ بیوی سے خوش، نہ بچوں سے خوش، نہ دین والوں سے خوش، حتی کہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ وہ اپنے آپ سے بھی بے زار ہوتے ہیں۔گندی سوچ رکھنے والوں کی آنکھ میں چشمہ ایسا لگ چکا ہوتا ہے کہ ان کو ہر ایک میں عیب نظر آتے ہیں۔ بھئی! دوسروں کی غلطیوں کو تم اتنا ڈھونڈ کر کیوں دیکھ رہے ہو؟ تمہیں دوسرے کی آنکھ کا بال تو نظر آ رہا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نظر نہیں آ رہا؟ اپنے آپ کو نہیں دیکھتے کہ میرے اندر کیا ہے؟ ان کو دوسروں کی برائیاں نظر آ رہی ہوتی ہیں۔اس قسم کے لوگ دین بیزار اور خدا بیزار بن جاتے ہیں۔

کچھ لوگوں کی سوچ اچھی ہوتی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کی سوچ ہوتی ہے۔اس کے دماغ میں نیکی ہوتی

ہے۔ وہ نیکی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کا دل نیک مجالس میں بیٹھنے کو کرتا ہے۔ نیکوں کے ساتھ ان کا تعلّق جڑا رہتا ہے۔ ان کو دوسروں کے اندر نیکی نظر آتی ہے۔ ان کے سامنے دنیا کا برا بندہ بھی پیش کر دو تو وہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی اچھائی ڈھونڈ لیں گے کہ اس میں یہ اچھائی بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مثبت سوچ رکھنے والے لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کو ہر ایک میں اچھائی نظر آتی ہے۔ ایسا بندہ بیزی بی (شہد کی معروف مکھی) کی طرح زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ نیکی کے کاموں میں لگا ہوتا ہے۔ اس کے پاس کسی کا تذکرہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔...... کام سے کام...... اس کی زندگی پروڈکٹو (تعمیری) گزر رہی ہوتی ہے۔ یہ معاشرے کے اندر ایک مقصد بھری زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی میں سوچ کا کردار:

ازدواجی زندگی کی کامیابی کے لیے انسان کی سوچ کا اچھا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ کوئی بھی میاں بیوی جن کی سوچ منفی ہوگی وہ کبھی بھی خوشیوں بھری زندگی نہیں گزار سکتے۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ منفی سوچ رکھنے والا خاوند اپنی بیوی سے جھگڑ رہا ہے، لڑ رہا ہے۔ جب پوچھا کہ بھئی! اتنے غصے میں کیوں آئے؟ تو کہنے لگا: اس نے اپنے سگے بھائی کی طرف مسکرا کے کیوں دیکھا؟ اب بتاؤ کہ بہن اگر اپنے سگے بھائی کو مسکرا کر دیکھے تو خاوند کو اس سے بھی شک پڑ جاتا ہے۔ اس کی سوچ منفی ہے۔ لہٰذا اسے اب ہر وقت ایسی ہی چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔ اور اگر انسان کی سوچ اچھی ہو تو پھر اسے دوسرے کی اندر بہت سی اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ اگر سوچ اچھی نہ ہو تو انسان جب اپنی بیوی سے ذرا سی بات پر بھی ناراض ہوگا تو کہے گا کہ دس سال ہو گئے، شادی کو، میں تو ذلیل ہی ہو گیا ہوں۔ وہ اس بات کو بھول گیا کہ اس نے مجھے بیٹے بھی دیے، بیٹیاں بھی دیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی جاب (ملازمت) دی، رزق دیا اور میں نے زندگی میں کتنے خوشیوں بھرے لمحات گزارے ہیں، وہ ساری باتوں پہ پانی پھیر کے بس ایک بات کہہ

دیتا ہے کہ دس سال سے میرا سکون ختم ہو چکا ہے۔

اور کبھی کبھی یہی بات بیوی کی طرف سے بھی ہو جاتی ہے کہ خاوند اس پر خرچ کرتا ہے، اس کے ساتھ پیار محبّت سے پیش آتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور ذرا سی بات پر بیوی ناراض ہو کر کہتی ہے کہ آپ میرے لیے کیا کرتے ہیں؟ جو کرتے ہیں اپنے بچوں کے لیے کرتے ہیں، میرے لیے کچھ نہیں کرتے۔ یوں سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ یہ ناشکرا پن اللہ تعالیٰ کو اتنا ناپسند ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے عورتوں کو کثرت سے جہنّم میں جلتے دیکھا۔ ام المومنینؓ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ چیزوں پر لعن طعن بہت کرتی ہیں، تنقید بہت کرتی ہیں اور اپنے خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ سب کیے دھرے پر پانی پھیر کر رکھ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اتنی ناپسند ہے کہ وہ ایسے بندوں کو جہنّم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ "اگر تمہیں اپنی بیوی کے اندر کوئی بات بری لگے تو تم غور کرنا، تمہیں اس کے اندر کتنی ہی باتیں پسندیدہ نظر آئیں گی"۔ اگر اس کے اندر اتنی پسندیدہ باتیں ہیں تو تھوڑا سا تحمل اور کلیئرنس تو تمہارے اندر بھی ہونا چاہیے۔

آج انڈسٹریل (صنعتی) زمانہ ہے۔ مشینیں بن رہی ہیں۔ ان مشینوں کے بننے کا ایک طور طریقہ ہے کہ اگر شافٹ کا یہ سائز ہو تو بیرنگ کا سائز اتنا ہونا چاہیے۔ اب اس کے اندر اتنے ہزار کلیئرنس ہوتی ہے۔ اگر ان اصولوں کے مطابق مشین بنا دیں تو پارٹس بھی بڑے آرام سے فٹ ہوتے ہیں اور مشین بھی بڑے مزے سے چلتی ہے۔ اور اگر کلیئرنس کو زیرو کر دیں تو نہ پارٹس فٹ ہوں گے، نہ مشین اسمبل ہو گی اور نہ ہی کوئی پروڈکشن ہو گی۔ کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ بالکل اسی طرح جس گھر کے خاوند میں یا بیوی میں ٹالرنس کلیئرنس زیرو ہو گئی آپ سمجھ لینا کہ اس گھر کی گاڑی اب آگے چلنی ممکن نہیں۔

چنانچہ انسان تھوڑا سا سمجھداری سے کام لے اور دل بڑا رکھے۔خوش گوار ازدواجی زندگی گزارنا اسی بندے کا کام ہے جس کا دل ذرا بڑا ہوتا ہے۔کہنے والوں نے کہا:

To run a big show, one should have a big heart.

''بڑی اچھی زندگی گزارنی ہو تو پھر دل بھی بڑا کرنا پڑتا ہے''

پریشانیاں تو آتی ہیں۔آج کون سا بندہ ہے جو پریشانیوں سے بچا ہوا ہے؟یہ دنیا تو ہے ہی ''مسائلستان''۔جس گھر میں دیکھو کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔البتہ نوعیت جدا ہوتی ہے۔جس کاروبار میں دیکھو،اس میں بھی مسئلے ہیں،مگر نوعیت جدا ہوتی ہے۔تو جب ہم مسائل میں ہی زندگی گزار رہے ہیں تو یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ روز ہی مسئلے ہوں گے۔اور ہم نے ہی ان کو حل کرنا ہے۔پھر ان کو حل کرنے کے لیے صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لیے اچھی ازدواجی زندگی وہی گزارتے ہیں جن کے اندر صبر و تحمل ہوتا ہے۔اگر یہ صبر و تحمل ختم ہو جائے اور انسان بے صبرا بن جائے تو بس آپ سمجھ لیں کہ اب اس کی زندگی کے مسائل میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی سوچ کو اتنا اچھا بنا لیں کہ ہم دوسروں کے لیے رحمت بن کر رہیں،دوسروں کے لیے زحمت بن کر نہ رہیں۔

اگر کوئی بندہ آپ کی بات نہیں سمجھ رہا تو آپ ذرا غور کریں اور سوچیں کہ آخر یہ سمجھ کیوں نہیں رہا؟اگر آپ اس کے انداز سے سوچنے کی کوشش کریں گے تو فوراً پتا چل جائے گا کہ اس کو یہ بات کیوں سمجھ نہیں آرہی۔

Put yourself in other's shoes.

اور پھر آپ کو پتہ چل جائے گا کہ وہ بندہ آخر اس طرح کیوں سوچ رہا ہے۔

عام طور پر میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کیا ہوتے ہیں؟یہ کہ خاوند نے کہا کہ بیٹے کا رشتہ بھائی کے گھر

کرنا ہے، بیوی نے کہا: بیٹے کا رشتہ میں نے بہن کے گھر کرنا ہے۔ پھر یہ بات جھگڑے کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ بھائی! یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں، یا تو صلح صفائی سے ایک دوسرے کی سمجھ لیں یا سمجھا دیں۔ غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے شریعت نے اختلاف رائے کو جرم نہیں کہا۔ جبکہ آج ذرا سا کوئی اختلافِ رائے کر دے تو وہ ہمیشہ کے لیے دشمن سمجھا جاتا ہے۔ شریعت نے ایسا نہیں کہا۔ شریعت کہتی ہے کہ تم ذرا سوچو کہ آخر وہ بندہ اس طرح کیوں سوچ رہا ہے۔ جب آپ سوچیں گے تو آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

استاد کی شکست:

کئی پرائمری سکولوں میں پڑھانے والے استاد جب بچے سے کوئی چیز سنتے ہیں اور وہ آگے سے سنا نہیں سکتا تو وہ اسے تھپّڑ لگا دیتے ہیں۔ یہ مارنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس بندے نے شکست تسلیم کر لی کہ میرے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ میں زبان سے اس بچے کو سمجھا سکوں۔ گویا مارنا تو اپنی شکست تسلیم کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ جو لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں وہ پیار سے اپنے بچوں کو سمجھا لیتے ہیں۔ ان کو مارنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ جبکہ کئی لوگ ذرا سی بات پر ایسے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ جیسے ان کے دماغ میں آگ بھری ہوئی ہے۔ وہ گھر والوں کے لیے مصیبت بنے ہوتے ہیں۔ اور وہ اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو ایسی صورتِ حال سے بچانا چاہیے۔

غصہ کمزوری کی علامت ہے:

اکثر و بیشتر غصہ کمزوری کی علامت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جوان کو غصہ کم آتا ہے اور بوڑھے کو زیادہ۔ اس لیے کہ بوڑھے کے اندر اس کو برداشت کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ اسے ذرا ذرا سی بات پر غصہ آتا ہے۔ اسی لیے بندہ بڑھاپے میں جا کر چڑچڑا بن جاتا ہے۔ عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے،

چڑ چڑا پن بھی اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

ایک بڑے میاں ڈاکٹر کے پاس گئے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! نظر کمزور ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے پھر کہا: ڈاکٹر صاحب! اونچا سنائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! میرے چار پانچ دانت بھی گر گئے ہیں۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! مجھے چیزیں یاد نہیں رہتیں۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

جب ڈاکٹر نے بار بار کہا کہ بڑھاپا ہے، بڑھاپا ہے، تو بوڑھے کو غصہ آیا اور غصے میں کہنے لگا: یہ کیا؟ بڑھاپا ہے، بڑھاپا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑے میاں! یہ بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھوں کی قوتِ برداشت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ وہ ہوا کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ تو نو جوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر غصے کو حاوی نہ ہونے دیں۔ بلکہ غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لیے نبی علیہ السّلام نے پوچھا: پہلوان کون ہے؟ اور پھر صحابہ ا کو سمجھایا کہ جو اپنے غصے کو قابو میں کر لے، اللہ کی نظر میں وہ پہلوان کی مانند ہوتا ہے۔ تو اگر بندے کے اندر صبر ہو، حلم ہو اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے اچھے اخلاق ہوں تو انسان کی زندگی بہت اچھی گزرتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی بندہ ایک بات کو قبول

نہیں کر رہا ہوتا تو ضرور سوچیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ تھوڑا سا سوچنے سے وہ وجہ بھی سمجھ میں آجائے گی۔

باپ بیٹے کی سوچ کا انداز:

ایک انجینیئر اپنے کمرے میں بیٹھا کوئی ڈرائنگ بنا رہا تھا۔اس کا اکلوتا بیٹا بھی گھر میں تھا۔اس کی بیوی کسی کام کے سلسلے میں کہیں گئی ہوئی تھی۔اس لیے بچہ بھی اس کو سنبھالنا تھا۔اب بچہ بھی اسی کے کمرے میں تھا۔کبھی وہ اس کتاب کو چھیڑتا اور کبھی اس کتاب کو......ہم نے اکثر و بیشتر دیکھا ہے کہ انجینئرز اور ڈاکٹرز کے کمروں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔کہیں کتابیں پڑی ہوتی ہیں، کہیں کاغذ بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان بے چاروں کے پاس ان کو ترتیب سے اور صفائی سے رکھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ان کی گاڑیاں بھی قابل دید ہوتی ہیں اور ان کے کمرے بھی قابل دید ہوتے ہیں۔ہاں! اگر کوئی صفائی رکھنے والا ہو تو الگ بات ہے۔ورنہ اکثر و بیشتر ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔اپنی اپنی طبعیت ہوتی ہے۔......بہر حال انجینئر کے ہر طرف کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ادھر بھی کاغذ ادھر بھی کاغذ۔چنانچہ جب بچہ کسی کاغذ کو ہاتھ لگاتا تو وہ کہتا: بیٹا! یہ ڈرائنگ ہے،اس کو ہاتھ نہ لگاؤ۔پھر وہ دوسرے کاغذ کو ہاتھ لگاتا تو وہ کہتا: بیٹا! اسے ہاتھ نہ لگاؤ یہ میرا قیمتی کاغذ ہے۔اب وہ کام کر ہی نہیں پا رہا تھا۔بچہ اسے خوب ڈسٹرب کر رہا تھا۔اس کا یہ بھی جی نہیں چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بچے کو ڈانٹوں یا کمرے سے نکالوں۔آخر اس کا بیٹا تھا۔دل کا ٹکڑا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ میں اس بچے کو کہیں مصروف کرتا ہوں۔چنانچہ اس کے سامنے ایک اخبار پڑا ہوا تھا اور اس کے اوپر پوری دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔اس نے کیا کیا؟ اس نے قینچی لی اور اس دنیا کے نقشے کے آٹھ دس ٹکڑے کر دیے اور بچے سے کہا: بیٹا! میں تمہیں ٹیپ بھی دیتا ہوں اور میں تمہیں یہ

چند کاغذ دیتا ہوں، اگر تم ان کو ترتیب سے جوڑ کر لاؤ گے تو میں تمہاری پسند کی ونیلا آئس کریم تمہیں لے کر دوں گا۔ وہ بچہ تھا اس لیے ونیلا آئس کریم کا نام سن کر خوش ہو گیا۔ چنانچہ وہ ٹیپ اور کاغذ کے ٹکڑے لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اب انجینئر صاحب نے سکھ کا سانس لیا کہ اب یہ دو گھنٹے وہیں مصروف رہے گا اور میں اپنا کام نکال لوں گا۔

ابھی پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ بچہ واپس آیا اور کہنے لگا: ابو جی! میں نے اپنا کام کر لیا ہے، آپ دیکھیں۔ جب اس نے وہ کاغذ لے کر اپنے سامنے رکھا تو بڑا حیران ہوا کہ سمندر سے سمندر ٹھیک ملے ہوئے ہیں، پہاڑوں سے پہاڑ ٹھیک ملے ہوئے ہیں، ملکوں کی حدود بالکل اپنی جگہ پر تھیں، اور اس بچے نے بالکل ٹھیک سب چیزوں کو جوڑ دیا۔ وہ حیران ہو گیا کہ اگر میں انجینئر بھی جوڑنے بیٹھتا تو مجھے بھی اتنا وقت لگتا اور بچے نے تو کمال کر دیا کہ پانچ منٹوں میں جوڑ کر لے آیا۔ چنانچہ وہ حیران ہو کر بچے سے پوچھنے لگا: بیٹا! تم نے اتنا جلدی یہ نقشہ کیسے جوڑ لیا؟ تو بچے نے مسکرا کر اس کاغذ کو الٹا کر دیا۔ جب اس نے الٹا کر کے رکھا تو اس نے دیکھا کہ دوسری طرف ایک عورت کی بڑی سی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بچے نے وہ تصویر جوڑی اور دوسری طرف سے دنیا کا نقشہ خود بخود جڑ گیا۔

تو بھئی! ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ہماری نظر میں دنیا کا نقشہ جوڑنے کی طرح مصیبت ہو اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے بندے کے سامنے اس تصویر کو جوڑنے کی طرح بہت آسان ہو۔ اس لیے غصے میں آنے یا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جو بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے اس کی زندگی کے اندر خوشیاں آجاتی ہیں۔

کامیاب زندگی کا راز:

ایک اصول یاد رکھیے!...... کہ کامیاب زندگی گزارنے والے لوگ عام طور پر مثبت سوچ والے لوگ

ہوتے ہیں۔میں ایک دفعہ ورلڈ بک آف ریکارڈ پڑھ رہا تھا۔اس میں انہوں نے ایک جگہ بہت عجیب بات لکھی۔انہوں نے لکھا کہ ’’دنیا میں جتنے لوگوں نے ریکارڈ قائم کیے یا تاریخ میں انہوں نے کوئی نمایاں کام کر کے دکھائے، ہم نے ایسے سینکڑوں لوگوں سے انٹرویو لیے اور ہم نے ان میں ایک چیز مشترک دیکھی کہ جس جس بندے نے انٹرویو دیا اس نے کہا کہ مقابلے سے پہلے مجھے پکا یقین تھا کہ میں جیت جاؤں گا، اور میں جیت گیا۔‘‘

انہوں نے لکھا کہ ہمیں ایک بندہ بھی ایسا نہیں ملا کہ جس نے کہا ہو کہ مقابلے سے پہلے میں ڈر رہا تھا کہ میں ہار جاؤں گا مگر میں جیت گیا۔تو معلوم ہوا کہ مقابلے میں وہی لوگ جیتتے ہیں جن کے اندر مثبت سوچ ہوتی ہے اور جیتنے کا شوق سمایا ہوتا ہے۔

God helps those who help themselves.

’’خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں‘‘

اس لیے اگر ہم بھی مثبت سوچ رکھ کر اپنے زندگی کے کاموں کو سنوارنے کی کوشش کریں گے تو ہم بھی ان مسائل کو بڑے آرام سے ختم کر دیں گے اور ہم بڑی پرسکون زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔

کینسر کے مریض کی قوتِ ارادی:

اٹلی کا رہنے والا ایک آدمی تھا۔اس نے عربی زبان سیکھی۔اس کو ہربل میڈیسن کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔عربی زبان سیکھنے کے بعد وہ ایک لائبریری میں گیا۔اسے وہاں پر عربوں کی یونانی حکمت کی کتابیں مل گئیں۔اس نے چند کتابوں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر دیا۔جب ترجمہ ہوا تو لوگوں نے اس کی کتاب ہاتھوں ہاتھ خرید لی۔پورے ملک میں اس کی شہرت ہوگئی کہ اس نے کتنا اچھا کام کیا کہ اس نے ایسا علم ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر دیا۔

جب ہر طرف اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں تو اس بندے کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ڈاکٹر کے پاس تشخیص کے لیے گیا تو ڈاکٹر نے تشخیص کی کہ آپ کو کینسر ہے اور یہ کینسر اتنا پھیل چکا ہے کہ ہمارے خیال میں دو سال کے اندر آپ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک پہنچ جائیں گے، اس سے زیادہ آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔

جب ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کی زندگی اب دو سال باقی ہے، بیماری بڑھ جائے گی اور علاج نہیں ہو سکے گا تو اس بندے نے سوچا کہ مجھے اتنے تھوڑے وقت میں بہت سارے کام کرنے ہیں۔ لہٰذا مجھے پریشان ہونے کی بجائے زیادہ کام کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہ کینسر کا مریض لائبریریوں میں گیا اور اس نے یونانی حکمت کی عربی کتابیں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ بالآخر اس نے اسی (۸۰) کتابیں ڈھونڈ نکالیں جو عربی زبان میں تھیں اور اطالوی زبان میں ان کا ترجمہ کیا جانا بہتر تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ ترجمہ کرنے والوں کی ایک ٹیم بنالی۔ ان سے اس نے کہا کہ جو اصطلاحات ہیں ان کا ترجمہ میں کروں گا اور جو سیدھے سیدھے فقرے ہیں ان کا ترجمہ آپ کرتے جائیں۔ اس طرح اس کا کام تیز ہو گیا۔ اندازہ لگائیے کہ اس بندے نے دو سالوں میں اسی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان سے اطالوی زبان میں کر دیا اور ورلڈ بک آف ریکارڈ میں اس بندے کا نام لکھا گیا۔

آٹو میٹک سلائی مشین کی ایجاد:

میں ایک سائنس دان کے حالاتِ زندگی پڑھ رہا تھا۔ وہ کپڑے کی سلائی مشین بنانا چاہتا تھا، کپڑے کی سلائی عورتیں اپنے ہاتھ سے سوئی دھاگے سے کر لیتی ہیں، جس سوئی کے ساتھ ہاتھوں سے سلائی کی جاتی ہے اس کے سرے پر بالکل نوک بنی ہوتی ہے اور پیچھے دھاگہ ڈالنے کے لیے سوراخ ہوتا ہے۔ اس

سے عورتیں ہاتھ سے کپڑے سی لیتی ہیں، اس نے اس کے لیے ایک آٹو میٹک مشین ڈیزائن کی۔ مشین تو ٹھیک ڈیزائن ہوگئی۔ مگر مسئلہ یہ بنا کہ جب وہ سوئی کو فٹ کرتا تو وہ ایک ہی لمحے میں ٹوٹ جاتی۔ جیسے ہی مشین چلتی تو سوئی ٹوٹ جاتی۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے مختلف قسم کے مٹیریل آزمائے مگر کوئی کام بنتا نہیں تھا۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو تھک ہار کے بیٹھ جاتا کہ کوئی سوئی کامیاب نہیں ہو رہی مگر اس کو اتنی سمجھ تھی کہ اگر ایک صورت میں کام نہیں بن رہا تو کسی دوسرے آپشن کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا۔

اس کے ذہن میں آیا کہ اس سوئی کا سوراخ اس کے سرے پر کیوں بنا ہوا ہے، میں اس کو ٹپ کے اوپر کیوں نہ بناؤں۔ اس خیال کے آنے کے بعد اس نے ایک نئی سوئی بنائی اور اس کا سوراخ اس نے ٹپ کے قریب بنا دیا۔ پھر اس نے اسے مشین میں فٹ کیا تو مشین نے چلنا شروع کر دیا اور وہ آٹو میٹک مشین بنانے کا موجد بن گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہمیں بھی اپنی زندگی میں مسائل کو ذرا متبادل طریقے سے حل کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح اس مسئلے کو ضرور حل کر دیتے ہیں۔

مثبت سوچ پُر امید رکھتی ہے:

مثبت سوچ سے انسان کے اندر امید پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ پر امید ہوتا ہے کہ میں یہ کام کر جاؤں گا، میرا اللہ میری مدد کرے گا۔ اور دنیا امید کے اوپر قائم ہے۔ اور جن لوگوں کی منفی سوچ ہوتی ہے ان کے اندر اکثر گھبراہٹ اور ڈپریشن ہوتا ہے۔ انہیں کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ شریعت نے ایسی منفی سوچ سے منع کیا ہے کیونکہ یہ منفی سوچ انسان کو مایوس کرتی ہے، اور شریعت نے مایوسی کو کفار کا شیوہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف:87)

چنانچہ مومن کو ہمیشہ پُر امید رہنا چاہیے۔ جب ہم پر امید ہو کر زندگی گزاریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کامیابی کے لیے راستہ بھی کھول دیں گے۔ حدیث قدسی میں ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِیْ

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔''

اگر بندے کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہوگا تو اللہ تعالیٰ اچھا معاملہ کریں گے اور اگر بدگمانی ہوگی تو ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ اس لیے سوچ ہمیشہ اچھی رکھنی چاہیے۔

مثبت سوچ سے دشمن پر فتح:

بائبل کے اندر ایک واقعہ ہے کہ طالوت ﷺ اللہ کے پیغمبر تھے۔ اس واقعہ کا اشارہ قرآن مجید کے اندر بھی ہے۔ مگر بائبل کے اندر اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ ان کا مقابلہ جالوت کے ساتھ ہوا۔

جالوت ایک بڑا لحیم شحیم انسان تھا اور بہت جنگ جو قسم کا بندہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک ظالم انسان بھی تھا۔ طالوتؑ اس کے مقابلے میں آئے۔ طالوت علیہ السّلام کے ساتھ تھوڑے سے بندے تھے اور جالوت کے ساتھ زیادہ بندے تھے۔ اور طالوتؑ ضعیف العمر بھی ہو چکے تھے۔

بندے کی جیسی عمر ہوتی ہے اس کی آبزرویشن بھی ویسی ہوتی ہے۔ جب طالوت علیہ السّلام نے جالوت کو دیکھا تو انہیں وہ لحیم و شحیم نظر آیا۔ چنانچہ بائبل کے الفاظ ہیں کہ انہوں نے اسے دیکھتے ہی کہا:

It is very difficult to kill him, because he is very big.

''اسے مارنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے۔''

اس وقت ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جس کا نام داؤدؑ تھا۔اس نوجوان نے جب جالوت کو دیکھا تو دیکھتے ہی مسکرایا اور کہنے لگا:

It is very easy to kill him, because he is very big. I will never miss him.

’’اسے مارنا تو بہت آسان ہے کیونکہ یہ تو اتنا بڑا ہے، میرا نشانہ کبھی خطا ہو ہی نہیں سکتا۔‘‘

اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السّلام نے اس پر ایک پتھر پھینکا جو اس کے ماتھے پر لگا اور وہیں اس کو موت آ گئی۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے طالوت علیہ السّلام کو فتح عطا فرما دی۔ سچی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر امید اور مثبت سوچ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے راستے بھی کھول دیا کرتے ہیں۔

نقصان کو نفع میں بدلنے کی صلاحیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی خوبیاں دی ہیں کہ یہ اپنے Minus (نقصان) کو اپنا Plus (نفع) بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔کوئی بھی انسان ہو، وہ اپنی قوت ارادی کو استعمال کر کے نقصان سے بچ سکتا ہے۔اگر ہم بھی آج تک منفی سوچ کی زندگی گزارتے رہے ہیں تو آج ہم مثبت سوچ والی زندگی گزارنے کی نیت کر لیں۔پھر ہم اپنی آنکھوں سے اس کی برکتیں دیکھیں گے۔

دلوں کی دنیا میں انقلاب:

حضرت گنج بخشؒ لاہور کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔انہی کی وجہ سے اس علاقے میں دین آیا۔ان کا نام حضرت علی ہجویریؒ تھا۔ان کے بارے میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے کہا: ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہ نما

ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی روحانیت بخشی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت علی ہجویریؒ نے کسی دریا کو عبور کرنا تھا......دریائے سندھ جیسے بڑے دریا کو عبور کرنے

میں کوئی آدھا پونہ گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ کیونکہ آدمی دریا کو بالکل سیدھا کراس نہیں کرسکتا، بلکہ ذرا اپ سٹریم جا کر دور سے وہ کشتی چلاتے ہیں اور چونکہ اوپر سے ہوا کا دباؤ بھی ہوتا ہے اس لیے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے ہوئے ترچھا کراس کیا جاتا ہے...... حضرتؒ کشتی پر بیٹھ گئے اور سفر شروع کر دیا۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ آپ کے سر پر ٹوپی تھی۔ خیال آیا کہ کہیں ٹوپی اڑ کر پانی میں نہ چلی جائے۔ چنانچہ حضرت نے ٹوپی اتار کر جیب میں ڈال لی اور ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔

حضرتؒ نے ایک دو دن پہلے سر کا حلق کروایا تھا......ٹنڈ کروانے کو حلق کروانا کہتے ہیں، جب نئی نئی ٹنڈ ہوتی ہے تو بڑی خوش نما نظر آتی ہے...... وہاں کشتی میں ہی قریب سے ایک بچہ گزرا تو اس نے دیکھا کہ اتنا صاف ستھرا ہے۔ چنانچہ اس نے سر پر ہاتھ پھیرا تو بڑا ملائم نظر آیا۔ اس نے جا کر دوسرے کو بتا دیا۔ اب دوسرا لڑکا بھی ہاتھ پھیرنے کے لیے آیا۔ اس کو بھی بڑا اچھا لگا۔ اس نے جا کر تیسرے کو بتایا۔ وہ تیسرا ذرا شرارتی قسم کا تھا۔ جب وہ آیا تو اس نے آکر سر پر ہاتھ بھی پھرا اور ٹھونگا بھی لگا دیا۔ اس پر باقی بچے ہنسنے لگے۔ یہ اللہ کے بندے اللہ کے ذکر میں مست بیٹھے رہے۔ انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ بچے کیا کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے بچے نے تھپّڑ بھی لگا دیا۔

ان بچوں کی بدتمیزی کو دیکھ کر قریب کے مردوں اور عورتوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اب یہ شغل بن گیا کہ بچہ آتا اور ان کے سر پر تھپّڑ لگاتا اور ساری کشتی کے لوگ ہنسنے لگتے۔ ان کے لیے مذاق بن گیا۔ جب کشتی والوں نے مذاق اڑایا تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندے کا مذاق اڑانے پر جلال آگیا۔ حدیث قدسی میں آیا ہے:

مَن عَادَلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

”جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔“

چنانچہ جب انہوں نے یہ بدتمیزی کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت گنج بخشؒ کے دل میں الہام فرمایا کہ ”اے میرے پیارے! یہ اتنی بدتمیزی کر رہے ہیں، آپ کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں اور آپ کا اتنا صبر کہ آپ اس کو برداشت کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، اگر آپ بددعا کریں تو میں اس پوری کشتی کو ہی الٹ دیتا ہوں۔“

کہتے ہیں کہ جیسے ہی ان کے دل میں یہ الہام ہوا تو حضرتؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی:

”اے اللہ! اگر آپ کشتی الٹنا ہی چاہتے ہیں تو ان سب لوگوں کے دلوں کی کشتی کو الٹ دیجیے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ کہتے ہیں کہ اس کشتی میں جتنے مرد اور عورتیں تھیں، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے ولایت کا نور عطا فرما دیا۔ یہ ہوتی ہے مثبت سوچ۔ اللہ والوں کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ ایسے حالات میں بھی ان کی زبان سے بددعا نہیں نکلتی، بلکہ ان کی زبان سے دعائیں نکل رہی ہوتی ہیں۔

نبی ءِ رحمت ﷺ کی رحمت بھری سوچ:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ مثبت سوچ رکھنے والے تھے۔ نبی علیہ السّلام طائف میں تشریف لے گئے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے کس قدر برا سلوک کیا! بچوں نے پتھر پھینکے اور آپ ﷺ کے قدمین مبارک سے خون نکلا اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ نبی علیہ السّلام بہت تھکے ہوئے تھے۔ بھوک بھی تھی، پیاس بھی تھی۔ بہت پریشانی کے عالم میں اس بستی سے نکلے اور عتبہ اور شیبہ کے انگور کے سامنے آ کر بیٹھے۔ وہاں آپ ﷺ نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَ لٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُقْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی، اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی بیگانے کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہے۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں، تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوت۔

یہ ایسی پیاری دعا ہے کہ بڑا پریشان بندہ بھی اگر اس دعا کو مانگے تو اس میں اتنی برکت ہے کہ اس دعا کو مانگنے سے اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل کو تسلّی دے دیتے ہیں۔ یہ ہمارا تجربہ ہے۔

جب نبی علیہ السّلام نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السّلام پہاڑوں کے انتظام

والے فرشتے میکائیل علیہ السّلام کو ساتھ لے کر آئے۔ جبرئیل نے آ کر عرض کیا کہ میں فلاں فرشتے کو ساتھ لایا ہوں ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اس قدر برا سلوک کیا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو دو پہاڑوں کو آپس میں ملا کر پوری کی پوری بستی کو ہی ختم کر دیا جائے۔ اب ذرا غور کیجیے کہ ان لوگوں نے نبی علیہ السّلام سے کیا سلوک کیا تھا اور ایسے سلوک کے بعد بندے کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے، مگر اللہ کے محبوب A اللہ کے محبوب تھے۔ اس نبیءِ رحمت نے فرمایا کہ نہیں، میں نہیں چاہتا کہ ایسا عمل کیا جائے۔ پوچھا: آخر کیوں؟ فرمایا: یہ لوگ مجھے نہیں پہچان سکے تو میں امید کرتا ہوں کہ ان کی اولادوں میں سے اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو مجھے پہچانیں گے اور مجھ پر ایمان لانے والے بن جائیں گے۔ قربان جائیں اس مثبت سوچ پر۔

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

اللہ رب العزت نبی علیہ السّلام کی رحمتہ للعالمینی کا کچھ تھوڑا سا رنگ ہمیں بھی عطا فرما دے۔ ہمارے اندر بھی مثبت سوچ آ جائے اور ہماری زندگی بھی کامیاب بن جائے۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ